نقطۂ نظر

رجم کی سزا

جسٹس ایس۔اے۔ربانی

سابق جج سندھ ہائی کورٹ اور فیڈرل شریعت کورٹ

علماء و فقہاء کے تمام تر پرزور فتاویٰ کے باوجود رجم کی سزا کی حیثیت کے بارے میں مسلمانوں میں شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ دلائل کا منطقی طور پر قابل قبول نہ ہونا ہے، زیادہ تر دلائل تو اس پر منحصر ہوتے ہیں کہ اس معاملے میں فقہاء اور اماموں نے کیا کہا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک آیت (الشیخ والشیخۃ ...) نازل ہوئی تھی جس کے الفاظ بعد میں منسوخ کردئے گئے، لیکن اس کا حکم نافذ رہا۔ یہ بات صریحاً قرآن کی صداقت اور مکمل ہونے کی حقیقت کے خلاف ہے اور اسے مان لیا جائے تو یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ اصل مکمل قرآن کیا ہے۔ ماضی میں کس نے کیا سمجھا ہے اور کیا کہا ہے، کسی بات کا حتمی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ سوائے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور احکام کے۔

علماء یا اہل علم کا کام یہ ہے کہ مشکل اور پیچیدہ معاملات اور مسائل کو آسان کر کے لوگوں کے سامنے رکھیں تا کہ عام لوگ اسے سمجھ سکیں اور اسکا فائدہ اٹھا سکیں، لیکن شاید یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ تمام فلسفی آسان کو مشکل اور پیچیدہ بنا کر پیش کرتے رہے ہیں۔ اہل علم کو شاید یہ لاشعوری خوف ہوتا ہے کہ اگر اس نے عام اور آسان بات کی تو لوگ اس کے علم پر شبہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں کو قرآن میں حدود کا نام نہیں دیا گیا ہے، حالانکہ حدود کا لفظ قرآن مجید میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی نافذ کردہ سزائیں ہیں اور کسی کو بھی ان میں ردّ و بدل کا اختیار نہیں ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر۲ میں حکم دیا گیا ہے کہ زانیہ اور زانی دونوں کو سو سو کوڑے مارو۔ یہاں پر رجم کی سزا کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں اس سزا کے موجود نہ ہونے کے باوجود یہ کہا گیا ہے کہ سو کوڑوں کی سزا غیر شادی شدہ لوگوں کے لئے ہے اور شادی شدہ مجرموں کے لئے سزا رجم ہے۔

اسکی دلیل کے لئے سنت اور حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا سنت اور حدیث قرآن میں تبدیلی یا اضافہ کرسکتی ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ اضافہ نہیں وضاحت ہے۔ اسکے لئے نماز

کی مثال دی گئی کہ اسکے طریقہ اور تفصیلات سنت و حدیث سے ملتے ہیں۔ یہ مثال مطمئن نہیں کرتی کیونکہ نماز کے بارے میں قرآن میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ نماز قائم کرو۔ اس حکم سے قدرتی طور پر سوال اٹھتا ہے کہ اسکا طریقہ کیا ہوگا۔ جس کا جواب سنت سے مل گیا۔ جبکہ زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارو، کے حکم سے ایسا کوئی سوال قدرتی طور پر نہیں پیدا ہوتا۔ یہ مکمل اور واضح حکم ہے اور یہ سورۃ النور آیت نمبر۲ میں کہہ بھی دیا گیا ہے۔ نماز سنت کی وضاحت کے بغیر ادا کی ہی نہیں جاسکتی تھی مگر زانی کو سو کوڑے مارے جاسکتے تھے۔

رجم کی سزا کی حیثیت کے تعین کے لئے استدلال اس طرح کیا جاسکتا ہے، مسلمان ہونے کے لئے قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اور کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو توراۃ پر ایمان لانا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ توراۃ اللہ تعالیٰ کے اقوال اور احکامات پر مشتمل کتاب ہے۔ ہم اس سے رجوع اس لئے نہیں کرتے کیونکہ اس میں تحریف ہوچکی ہے اور یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ اصل کیا ہے اور تحریف کیا ہے۔ یہودیوں کا جو مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اس میں رسول اللہ ﷺ نے رجم کی سزا دیتے وقت فرمایا: فانی احکم بمافی التوراۃ، میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو توراۃ میں ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کردی کہ یہ حکم توراۃ میں موجود ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے تصدیق فرمادی کہ رجم کا حکم توراۃ میں موجود ہے، تو اس حکم کی حیثیت یہ ہوگئی کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس کی نازل کردہ کتاب میں ہے اور اس کتاب پر ایمان لانا لازمی ہے۔ اس ایمان کے نتیجہ میں اس حکم پر عمل اتنا ہی ضروری ہے جتنا اس حکم پر جو سورۃ النور کی آیت نمبر۲ میں نازل ہوا ہے۔

دونوں احکام اللہ کے ہیں اور اس کی نازل کردہ کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور دونوں پر ایمان ہمارے لئے لازمی ہے۔ اس لئے توراۃ میں دیا گیا رجم کا حکم سورۃ النور کی آیت نمبر:۲ میں دئے گئے حکم کے ساتھ نفاذ کے سلسلے میں پڑھا جائے گا، کیونکہ دونوں احکام ایک ہی موضوع کے متعلق ہیں۔

نوٹ: اگر کوئی صاحب علم و دانش اس موضوع پر اپنی رائے دینا چاہیں تو التفسیر کے صفحات اس بحث کیلئے حاضر ہیں۔ (ادارہ)

وفیات

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج

صوفی عبدالحمید سواتیؒ

ایک مفسر.......ایک محدث

ملک کے معروف بزرگ عالم دین، مفسر قرآن شیخ الحدیث اور متعدد کتابوں کے مترجم و مولف مولانا صوفی عبدالحمید سواتی طویل علالت کے بعد بالآخر ۶ اپریل ۲۰۰۸ء اتوار کی صبح اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انکی عمر ۹۰ برس تھی۔ مرحوم کی وصیت کے مطابق انہیں شہر کے بڑے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق انکے جنازے میں ایک لاکھ افراد شریک ہوئے۔ مرحوم اپنی خدمات تدریس و تقریر وتالیف کے سبب مذہبی حلقوں میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔ انہوں نے معالم العرفان کے نام سے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی یادگار چھوڑی ہے۔ مرحوم جامع مسجد نور (گجرانوالہ) میں ہفتہ میں چار روز درس قرآن باقاعدگی سے دیا کرتے تھے۔ ایک طویل مدت تک ان کے زبانی درسوں کا سلسلہ چلتا رہا اور اتنا مقبول ہوا کہ اسے باقاعدہ لکھا جانے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے معالم العرفان فی دروس القران کے نام سے غالباً بیس مجلدات تیار ہو گئے۔ یہ دروس ضبط تحریر میں لانے کا خوشگوار فریضہ ان کے فیض یافتہ شاگرد رشید الحاج لعل دین نے انجام دیا۔ ان کے تلامذہ در تلامذہ لاکھوں کی تعداد میں بتائے جاتے ہیں، جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مرحوم کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا۔ جہاں سے وہ نصف صدی قبل گوجرانوالہ میں آکر مقیم ہوئے۔ مرحوم نے تحریک ختم نبوت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید وبند کی مشقت اٹھائی۔

مولینا نے دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا تھا۔ ان کے اساتذہ میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور مولانا اعزاز علی جیسے علم وادب کے اکابر و اساطین شامل ہیں۔ وہ حیدرآباد دکن کے طبیہ کالج سے طب یونانی میں سند یافتہ تھے۔ مگر طبابت کو اپنا پیشہ نہیں بنایا۔ مرحوم کے نماز جنازہ میں عوام کے ساتھ اکابر علماء نے بھی شرکت کی اور انکی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا عبدالحمید سواتی ۱۹۱۷ء میں صوبہ سرحد کے ضلع ہزارہ کے ایک گاؤں کڑمنگ بالا میں پیدا ہوئے بچپن میں ہی والدین کے سایہ رحمت وشفقت سے محروم ہو گئے لیکن اپنے ذاتی امنگ اور شوق کے

باعث مختلف مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے تا آنکہ ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے علوم دینیہ میں تکمیل کی سعادت پائی۔ اسلامی فرقوں کے مابین ردّو مناظرہ کا روایتی انداز جو بدقسمتی سے مختلف مدرسوں اور جامعات میں رائج تھا، اسمیں مہارت حاصل کی، پھر بین المذاہب تقابلی مطالعہ کے لیے دارالمبلغین (لکھنؤ) چلے گئے۔ ۱۹۵۲ء میں گوجرانوالہ میں اپنا مدرسہ نصرت العلوم قائم کیا اور قبل ازیں جامع مسجد نور سے بطور خطیب ۱۹۵۱ء میں وابستہ ہوئے۔ (بحوالہ معالم العرفان، پارہ نمبر ۲۹، ص ۴) اور تمام زندگی اسی مسجد کو اپنے خطابات و دروس کا مرکز بنائے رکھا۔ ان کے خطابات بالعموم قرآنی آیات کی تفسیر پر مشتمل ہوتے تھے اور درس قرآن میں تو تفسیر القرآن بالقرآن ہی کا طریقہ غالب رہتا تھا۔ (بحوالہ معالم العرفان، جلد پنجم ص ۲۰) مگر یہ طریقہ تدریس بھی اگر تدبّر واجتہاد سے خالی ہو تو فقط نام ہی رہ جاتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجبوری از قرآن کے اس دور میں اگر نام قرآن بھی رہ جائے تو بساغنیمت ہے بلکہ قابل ستائش ہے۔

گو مرحوم کی تفسیر کا انداز تحقیقی طور پر علمی نہیں ہے۔ تاہم خطابت میں دلچسپی پیدا کرنے والے عوامل کا لحاظ ضرور رکھا گیا ہے۔ کہیں کہیں انداز بیان از حد دلچسپ ہو گیا ہے اور کہیں کہیں ان کا استدلال ان کے عدم تدبّر کی چغلی بھی کھاتا ہے۔ دیکھئے (معالم العرفان جلد ۹، ص ۲۹۷) اور کہیں سہو و تسامح کا شکار بھی نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرتب تفسیر نے مفسر کے بیان کو پورے طور پر سمجھے بغیر یا تحقیق کیے بغیر ہی لکھدیا ہے۔ بہر حال تفسیر میں مشاہیر کے حوالے جابجا ملتے ہیں۔ کہیں کہیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور غلام احمد پرویز کا رد بھی ملتا ہے۔ تاہم دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے کے سبب علمائے دیوبند کا بہت ادب واحترام سے ذکر کیا گیا ہے۔

ان کے دروس وخطابات میں اکثر و بیشتر مقامات پر کتب تفاسیر واحادیث اور بعض دیگر کتب کے جو حوالے ملتے ہیں وہ دوسروں کی محنت ہے۔ یہ وقت طلب کام الحاج لعل دین، محمد اشرف اور مرحوم کے صاحبزادے محمد فیاض خان سواتی نے متفرق طور پر الگ الگ جلدوں میں انجام دیا ہے۔ (بحوالہ معالم العرفان پارہ نمبر ۲۹، ص ۸، سورۂ جن تا سورۂ مرسلات۔ اور جلد نمبر ۱۴، ص ۲۷)

درس قرآن کے ساتھ ساتھ مرحوم نے درس حدیث کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا۔ معالم العرفان کی چودھویں جلد میں اس امر کا تذکرہ ملتا ہے کہ دروس الحدیث کی دوسری جلد کی کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ نیز اس جلد میں بھی امام احمد بن حنبل " کی مسند احمد کی منتخب احادیث کی تشریح، معالم العرفان کی طرز پر کی گئی ہے۔ مرحوم کا درس حدیث، ہفتہ میں دو دن ہوا کرتا تھا۔ مسند احمد کے علاوہ آپ نے صحاح ستہ، مشارق الانوار، الترغیب والترھیب، مؤطا امام مالک کا درس بھی مکمل کیا۔ (بحوالہ معالم العرفان پارہ ۲۹، سورۂ جن تا سورۂ